© rasailojaraid.com

مباحثہ ومکالمہ

عبدالمالک طاہر☆

جہادی تنظیموں کے تنقیدی جائزہ پر ایک نظر!

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کے نومبر/دسمبر ۲۰۰۸ء کے شمارے میں محترم جناب حافظ محمد زبیر کا مضمون پڑھنے کا موقع ملا۔ ''پاکستان کی جہادی تحریکیں، ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کے زیرعنوان اپنے مضمون میں صاحب مضمون نے پاکستان کی جہادی تنظیمات کے حوالے سے اپنے افکار ونظریات (مع تجرباتی واقعات) حوالہ قلم کیے ہیں۔ وزیرستان، سوات، لال مسجد اور تکفیری ٹولے کی حد تک حافظ صاحب کی بات وزنی معلوم ہوتی ہے، اگرچہ لہجہ اور انداز ناصحانہ نہیں ہے۔ تحقیقی وتنقیدی مضامین میں اگر نصیحت کا پہلو غالب ہو تو مقابل فریق کے لیے بات سمجھنا اور اس پر غور وفکر کر کے نئی راہ متعین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جہاں تک معاملہ جہاد کے فرض عین ہونے اور جہادی تحریکوں کے کردار کا ہے تو اس میں حافظ صاحب کے نظریات سے بحث واختلاف کی گنجایش نہ صرف موجود ہے بلکہ آئندہ بھی رہے گی۔ چونکہ حالات وواقعات، اسباب وذرائع (جس پر جہاد کی فرضیت موقوف ہے) کے متعلق تجزیہ وتبصرہ سے رائے قائم کرنا ایک فکری واجتہادی معاملہ ہے، اس لیے عقلاً وشرعاً نہ صرف اختلاف قابل برداشت بلکہ شریعت کی نظر میں مستحسن ہے، البتہ یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ جناب حافظ صاحب نے جہادی طبقے کے متعلق جو لب ولہجہ اختیار کیا ہے، وہ کسی طرح بھی فکر ودانش کے حلقہ میں قابل تحسین نہیں ہے۔ یہاں ہم محترم حافظ صاحب کے بعض جملوں سے متعلق کچھ معروضات حوالہ قلم کریں گے۔

حافظ صاحب رقم طراز ہیں کہ عام طور پر جہادی تحریکوں کے رہنماؤں اور علما کی تحریروں میں عوام الناس کو ایک مغالطہ دیا جاتا ہے ''کہ ریاست کے بغیر ہونے والے جہاد سے امریکہ کے ٹکڑے ہو جائیں گے یا انڈیا فتح ہو جائے گا یا اسرائیل دنیا سے مٹ جائے گا۔'' اس مقام پر مضمون نگار کے شعلہ بار قلم سے مغالطہ دیا جاتا ہے کہ یہ الفاظ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ ''مغالطہ دیا جاتا ہے'' کا صاف مفہوم یہ ہے کہ عوام الناس کو دھوکا دیا جاتا ہے، حالانکہ دھوکہ دہی تو اس صورت میں ہو جب جہادی قیادت کی اپنی رائے میں واقعتاً ایسے جہاد سے دشمن کو شکست دینا ممکن نہ ہو۔ اگر جہادی طبقے کی رائے غیر سرکاری جہاد سے کفر کی شکست کے امکان اور یقین کی ہے تو یہ جہادی طبقہ کا اخلاقی وشرعی حق ہے جس سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر ان کی نیت پر شک کرنا اور ان کی رائے کو دھوکہ دہی کا نام دینا انصاف نہیں ہے۔

آگے چل کر سی این این اور بی بی سی وغیرہ (کفریہ نشریاتی اداروں) کی رپورٹنگ کو اطلاعات کہنا فاضل مضمون نگار کی

☆ مدرس جامعہ فاروقیہ، شیخوپورہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہادی طبقے پر ذاتی قسم کی مناقشت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے اظہار کے لیے 'الشریعہ' جیسے عظیم فکری پلیٹ فارم کا استعمال کرنا اخلاقی حوالے سے اچھا نہیں ہے۔ اگر جہادی ذرائع ابلاغ (بالفرض) اپنی کاوشوں کی تشہیر میں مخصوص مقاصد کے لیے مبالغہ سے کام لیتے ہیں تو کیا بی بی سی جیسے ادارے غیر جانبدار رپورٹنگ کر رہے ہیں؟

حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ ''لاعلم اور سیدھے سادھے جذباتی نوجوانوں کے لیے ان تحریکوں کے معسکرات خرکار کیمپ ثابت ہوتے ہیں جو ان کو جبراً فریضہ قتال کی ادائیگی پر مجبور کرتے ہیں اور ان کی انتہا ایک مجاہد کے لیے اپنے گھر والوں کے لیے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ میں واپس جانا چاہتا ہوں، لیکن میرے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ شہادت میرا مقدر بن چکی ہے، اگر میں میدان جہاد میں شہید نہ ہوا تو یہ (مجاہدین) مجھے (خود) شہید کر دیں گے۔''

غور کیجیے! یہ الفاظ جہاں مضمون نگار کی جہادی احباب کے ساتھ دیرینہ عداوت ظاہر کرتے ہیں، وہیں جناب کے جنگ و جہاد کے میدان سے عملاً بہت دور ہونے پر بھی شاہد ہیں۔ کیا ایک ایسے مجاہد کو جو عسکری تربیت مکمل کر چکا ہو، اس کے ہاتھ میں آتشیں اسلحہ ہو، گرنیڈ ہوں، اسے اس انداز سے جبر کر کے روکا جا سکتا ہے؟ یا ایسا مجبور مجاہد تحریک کو (سوائے ناکامی کے) کچھ دے سکتا ہے؟ جناب کے پاس کن ذرائع سے ان مجبورین کے حالات و کوائف پہنچ رہے ہیں، وہ قوم و ملت کے سامنے لائے جائیں تاکہ یہ خرکار کیمپ عوام کے سامنے بھی آئیں۔

ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں: ''ہمارے ہاں عام طور پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جہادی تحریکوں کے قتال کے نتیجے میں روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، حالانکہ حقائق اس کے بالکل خلاف ہیں۔ روس کے ٹکڑے اس لیے ہوئے کہ اس قتال کے پیچھے دو ریاستوں، امریکہ اور پاکستان کا پورا عمل دخل تھا۔''

فاضل مضمون نگار اس بات کو ثابت کرنے کے لیے دماغ و قلم سمیت جسم کے دیگر حصوں کا بھی زور لگا رہے ہیں کہ روس کو شکست مجاہدین نے نہیں بلکہ امریکہ اور پاکستان کی ریاستوں نے دی ہے، لیکن جناب نے اس بات کی وضاحت گوارا نہیں کی کہ (۱) امریکہ، پاکستان کا یہ عمل دخل روسی جارحیت کے کتنے سال بعد ہوا تھا؟ (۲) اس عمل دخل سے قبل جنگ اور مقابلہ کی نوعیت کیا تھی؟ (۳) امریکہ، پاکستان کا عمل دخل کس حد تک یا کس نوعیت کا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ مغرب زدہ میڈیا آج تک جس امریکی دخل کو مجاہدین کی سپورٹ اور امداد کا نام دیتا آیا ہے، وہ محض عربوں کے خطیر جہادی فنڈ سے اسلحہ کی خریداری تھی۔ چونکہ روسی شکست میں امریکی مفاد تھا، اس لیے اسلحہ کی ترسیل اور افرادی قوت کے حصول میں امریکہ و پاکستان کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی اور میڈیا میں بھی ایسی روسی جارحیت کے خلاف لڑنے والوں کو ہیرو کا درجہ دیا گیا (جس سے لڑنے والوں کی اکثریت ویسے ہی بے نیاز تھی)۔ جہاں تک محترم حافظ صاحب کا یہ کہنا ہے کہ اب امریکہ نے بمباری کے ذریعے مجاہدین کو پہاڑوں پر پناہ لینے پر مجبور کیا ہوا ہے، بخلاف روس کے تو اس ضمن میں گزارش ہے کہ شہری علاقوں پر بمباری اور وحشت ناک تشدد میں روس اور امریکہ میں کوئی خاص فرق نہیں۔ جہادی میدان کے کسی پرانے آدمی سے ماضی کے واقعات کا علم جناب کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔

صاحب مضمون فرضیت جہاد کو نماز پر قیاس کر کے آزادانہ تبصرے لکھ رہے ہیں اور اس حوالے سے جہادی قیادت اور مفتیان کرام کو مطعون کر رہے ہیں کہ وہ سارے لڑائی میں بیک وقت کیوں شریک نہیں ہوتے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ نماز انفرادی عبادت ہے اور جہاد اجتماعی عبادت ہے۔ نماز میں ہر آدمی اپنی عبادت کا قیام، رکوع، سجود، قراءت وقعدہ وغیرہ خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکمل کرے گا بخلاف جہاد کے کہ اس میں کچھ لوگ دشمن اسلام کے سامنے فرنٹ لائن پر، کچھ خط دوم پر، کچھ قرارگاہ اور کچھ سامان وطعام وغیرہ کی ترسیل پر ہوں گے تو تب ہی یہ عبادت جاری رہ سکے گی۔ اس ضمن میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے کہ حضرت عثمان کو بدر کے موقع پر مدینہ میں ٹھہرا کر انہیں نہ صرف اہل بدر میں شمار کیا، بلکہ مال غنیمت میں پورا حصہ دیا۔ شریعت اسلامیہ میں جس طرح تقسیم اوقات کا اصول ہے کہ فلاں وقت میں سب آدمی یہی عبادت کریں، اسی طرح بعض فرائض واحکام میں تقسیم کار کی صورت بھی موجود ہے، جیسے فریضہ جہاد کہ اس میں تقسیم کار ثابت اور عقلاً وشرعاً یہی اس فریضہ کا اصول ہے۔ اگر ہم فرض ہونے کی صورت میں سب لوگوں پر لڑنا ہی فرض قرار دیتے ہیں تو وہ اسلحہ جس کے ساتھ مجاہدین قتال کریں گے، مسلسل کیسے آئے گا؟ طعام وغیرہ طبعی ضروریات کا نظام کیوں کر چلے گا؟ نئے افراد کی ذہن سازی وتربیت کے بغیر ایک مکمل نظام کتنا عرصہ چل سکے گا؟ ایسا قتال جس میں اسلحہ کی ترسیل کی صورت نہ ہو، اور طبعی ضروریات کا انتظام نہ ہو اور نئے افراد کی کھیپ نہ ملے تو وہ کب تک جاری رہ سکتا ہے اور ایسے قتال کے کیا نتائج نکلیں گے، اس سے کوئی بھی ذی شعور انسان لاعلم نہیں۔ اور اگر کچھ افراد ان کاموں کے لیے ضروری ہیں تو ظاہر ہے وہ بھی جہادی تنظیموں کا حصہ ہیں۔

مضمون نگار کے مذکورہ خیالات سے بھی میدان کارزار کی اصل صورت حال اور بنیادی ضروریات سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔ صرف دفتر میں بیٹھ کر غصہ نکالنے کا فن جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک نماز کے قیام، رکوع کی طرح آج بھی لوگوں کے ہاتھوں تلواریں دے کر مقابلہ چاہتے ہیں کہ یہی صورت منقول ہے۔ یا پھر تمام مجاہدین کو قتال کی صرف ایک ہی صورت میں لگائیں تو فرض عین ادا ہوگا ورنہ نہیں، جبکہ صاحب بدائع الصنائع جہاد کی تعریف نقل کرتے ہیں: 'الجهاد بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبیل الله عزوجل بالنفس والمال واللسان وغیر ذالك '۔ ''اللہ کے راستے میں قتال کے اندر جان، مال، زبان اور اس کے علاوہ معاونت کرنا'' گویا جہاد جس طرح نفس (خود لڑ کر) کے ساتھ ہے، اسی طرح زبان اور دیگر طریقوں کے ساتھ بھی ہے۔

اس مضمون میں ایک مقام پر جہادی تحریکوں کے مفتیان کرام کا بخاری پڑھانا یا میجر جنرل کے اعزازی عہدے کی سہولیات، پروٹوکول سے فائدہ اٹھانا جناب کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکا ہے، لیکن انہی میں سے بہت سوں کی عظیم جہادی قربانیاں، گرفتاریاں، نظر بندیاں، وحشیانہ تشدد برداشت کرنا حافظ صاحب کی نظروں سے کیوں اوجھل رہا ہے کہ جن کو مستثنیٰ کرنے کی انہیں اخلاقی جرات نہ ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ محترم کی قتال کے میدان کی اصل صورت حال سے لاعلمی ان کے لکھے گئے نظریات کے باعث ہے کہ بند کمرے میں بیٹھ کر قلم کی تلوار چلا رہے ہیں، یا پھر یہ کسی جہادی کمانڈر سے ذاتی نوعیت کے اختلاف کا شاخسانہ ہے جو کسی طرح بھی حقائق کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے کہ بعض جزوی واقعات کو بنیاد بنا کر وہ تمام جہادی نظموں اور ان کے قائدین کو قلم کی نوک پر رکھ رہے ہیں۔ اس طرح کے جزوی واقعات کو بنیاد بنا کر اگر کوئی گروہ دیگر دینی اداروں اور نظموں کے متعلق بھی ایسی ہی انتہا پسندانہ رائے قائم کرتا ہے تو کیا یہ رائے درست ہوگی؟

مضمون نگار جس طریقہ کار یعنی ریاستی سطح پر قتال کو واحد حل قرار دیتے ہیں، وہ یقیناً ایک پائیدار حل ضرور ہے لیکن واحد نہیں ہے، دیگر طریقہ کار بھی ہیں، اگرچہ اصل اور مضبوط حل ریاست کا خود اس معاملہ کو لینا ہے۔ اس طرح جس بات کو ثابت کرنے کے لیے محترم حافظ صاحب نے خاصا زور صرف کیا ہے کہ ہم صرف غیر سرکاری سطح اور ریاستی طاقت کے بغیر فتح حاصل نہیں کر سکتے، اس کے جواب میں سب سے وزنی رائے مبتلی بہ کی ہو سکتی ہے اور وہ افغانستان اور عراق کے محاذ پر برسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیکار افواج کے کمانڈروں کے حال ہی میں تسلسل کے ساتھ آنے والے بیانات ہیں جس میں مازک اسمتھ سمیت دیگر لوگوں نے اب تک کی صورت میں نہ صرف اپنی شکست تسلیم کی ہے، بلکہ آئندہ بھی فتح کے امکان کو مسترد کیا ہے۔

فاضل مضمون نگار ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ ''قتال کی علت ظلم ہی ہے''۔ یہ درست ہے کہ قتال کی ایک علت ظلم ہی ہے لیکن صرف ظلم کو علت قرار دے کر وہ دیگر آیات قرآنیہ کا کیا جواب دیں گے جن میں کفار کی سلطنت وشوکت کے خاتمے تک قتال کا حکم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: 'وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ' یعنی تم ان کفار سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ یہاں قتال کا حکم فتنے کو ختم کرنے کے لیے دیا جا رہا ہے اور مفسرین کرام کے نزدیک یہاں فتنہ سے مراد کافروں کا زور (شوکت وسلطنت) ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مضمون نگار کے ہاں قتال کی علت تو ظلم ہے، جبکہ فتنہ کا خاتمہ جس کو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے، یہ قتال کا منتہاے مقصود ہے۔ یعنی اصل علت صرف ظلم ہے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی کفریہ سٹیٹ (کافر حکومت) ظالم نہ ہو تو کیا ان کے خلاف جہاد نہیں ہوتا، جیسا کہ مضمون نگار کے الفاظ سے مترشح ہے؟ اگر ایسی کافر حکومت (غیر ظالم) کے خلاف جہاد نہیں ہو سکتا (جیسا کہ مضمون نگار کا نظریہ ہے، کیونکہ ان کے خلاف قتال کے لیے ظلم والی علت نہیں پائی جاتی) تو پھر اس صورت میں 'قاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ' کا حکم کس کے لیے ہے؟ اور اگر کافر (غیر ظالم) حکومت کے خلاف جہاد ہو سکتا ہے، (جیسا کہ قرآنی حکم ہے) تو پھر علت صرف ظلم کو قرار دینے پر کیوں مصر ہیں؟ اور اگر وہ یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے ظلم اور کفر کو تقریباً لازم وملزوم قرار دے کر اس اشکال کو رفع کر دیا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر کفر وظلم لازم وملزوم ہیں تو پھر ہر کافر کے خلاف جہاد ہونا چاہیے اور یہ بات بھی قرآن وحدیث کے خلاف اور خود ان کے اپنے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتی۔

موصوف یہاں احتجاج بلا دلیل کے مرتکب ہوئے کہ اگر ایک علت نہیں پائی جاتی تو حکم ہی نہیں لگ سکتا، باوجودیکہ کوئی اور علت پائی گئی ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی یوں کہے کہ فلاں آدمی نہیں مرا کیوں کہ وہ چھت سے نہیں گرا تو ایسے آدمی کی بات درست نہیں ہو سکتی، کیوں کہ مرنے کے اور بھی اسباب ہیں۔ ممکن ہے ان اسباب میں سے کوئی سبب پایا گیا ہو۔ تو جہاد اگر ایک علت سے نہیں تو ممکن ہے کسی دوسری علت کی وجہ سے واجب ہو۔ موصوف بھی ظلم کی علت کے عدم کی صورت میں حکم جہاد کو ختم کر رہے ہیں، حالانکہ قرآن مجید نے تین اہداف جہاد بیان فرمائے ہیں:

(۱) نصرۃ المستضعفین، ظالموں کے خلاف مظلوم لوگوں کی مدد ونصرت کرنا اور ان کو ظلم سے نجات دلانا جیسا کہ 'اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا' میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) رد العدوان، کافروں کی شوکت وسلطنت کو توڑنا، جیسا کہ 'قاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ' میں بیان فرمایا گیا ہے جب کہ فتنہ سے مراد کفار کا زور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(۳) حفظ الدعوۃ، اسلام کی دعوت کی حفاظت ہو۔ دعوت کے پیچھے جزیہ (مغلوبیت کا ٹیکس) اور قتال کی طاقت ہو، جیسا کہ 'کنتم خیر امۃ اخرجت للناس' کی تفسیر میں امام المفسرین سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: 'تقاتلونھم علیہ'، مطلب یہ ہے کہ تم بہترین امت ہو، اس لیے کہ تم دعوت سے انکار پر منکرین سے قتال کرتے ہو۔ (بحوالہ تفسیر کبیر) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قتال جس طرح ظلم کی وجہ سے مشروع ہے، اسی طرح کفر کی سلطنت اور غلبہ کی صورت میں نیز اسلام کی دعوت کی حفاظت کی غرض سے بھی مشروع ہے۔

© rasailojaraid.com